نبیؐ رحمت از: مولانا سید ابوالحسن ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی ہماری صدی کے ایک معروف اور مایۂ ناز عالم دین، مفکر اور مصنف ہیں۔ عربی انگریزی، اردو میں آپ کی متعدد کتابیں نہ صرف برصغیر ہندوپاک میں مقبول ومعروف ہیں، بلکہ ان سے یکساں طور پر عالم اسلام نے استفادہ کیا ہے اور کیا جارہا ہے۔ ''تاریخ دعوت وعزیمت'' آپ کی وہ معرکۃ الآرا کتاب ہے جس میں ملت کے روحانی وارثوں کے نام اور کام کو اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ صحیفۂ قرطاس پر فعال نظر آتے ہیں۔آپ کی تصنیف ''نبی رحمت'' سیرت پیغمبر اسلامؐ پر ایک اہم علمی کارنامہ ہے۔ یہ اصلاً عربی میں لکھی گئی تھی جس کا بعد میں مولانا محمد الحسنی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اردو میں ہمیں صدہا کتابیں سیرت پیغمبر اسلام پر مل جاتی ہیں۔ نبی رحمت بے شک ایک ایسی کتاب ہے جو سیرت کی اردو کی کتابوں میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔

''نبی رحمت'' کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس میں چند ایسے ابواب قائم کئے ہیں اور ان کے تحت ایسی معلومات فراہم کی ہیں جن سے سیرت پر عام کتابیں خالی ہیں۔ مثلاً اس کتاب کا پہلا باب 'عہد جاہلیت'' ہے۔ اس میں مصنف نے چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کے تمام قدیم مذاہب اور اہل مذاہب کا اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔ مزید برآں مشرقی رومی سلطنت، ایرانی شاہنشاہیت، ہندوستان، جزیرۃ العرب اور یورپ کی قوموں اور حلقوں کے احوال وکوائف پر ایک عمومی نظر ڈالی ہے اور اس دور کے عالمگیر فساد اور ہرنوعیت کے اندھیروں کو بیان کیا ہے۔

کتاب کا دوسرا باب'' جزیرۃ العرب'' ہے جس میں اس علاقے کے حدود، وہاں کے طبعی حالات، تمدنی ثقافتی مراکز اور لسانی وحدت کی تصویر کشی کی ہے۔ اس ضمن میں عربی مآخذ کے علاوہ دوسری اقوام کی تاریخ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ بعثت نبوی کے وقت شہر مکہ میں زندگی کی تنظیم، عہدوں کی تقسیم، آمد و برآمد، اقتصادی حالت اوزان وپیمانے ادب وثقافت، جنگی طاقت، اخلاقی پہلو وغیرہ میں سے ہر ایک کا بیان سلیقے کے ساتھ کیا ہے۔ مکہ مکرمہ کی طرح عہد بعثت کے یثرب سے متعلق بھی تاریخی، جغرافیائی اقتصادی، دینی، معاشرتی اور تمدنی ہرطرح کی بیش قیمت معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔

ان ابواب کے تحت مواد کی فراہمی میں مصنف نے غیر معمولی دیدہ وری اور بالغ نظری کا

ثبوت دیا ہے۔ ریزہ ریزہ معلومات اس طرح جمع کی ہیں گویا بقول خود مصنف چینونٹیوں کے منہ سے شکر کے دانے فراہم کیے ہیں۔

حضرت مولانا مکہ کی صنعتو اور ادب وثقافت سے بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

اہل مکہ کی نظر میں صنعت وحرفت کی زیادہ اہمیت نہیں تھی ، بلکہ وہ اس کو حقارت سے دیکھتے تھے اور اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھتے تھے۔ عام طور پر صنعت وحرفت غلاموں یا غیرعربوں کے ساتھ مخصوص سمجھی جاتی تھی تاہم بعض صنعتیں جن کی انہیں سخت ضرورت تھی ، وہاں موجود تھیں روایت میں آتا ہے کہ حضرت جناب بن الارت فلوارین تیار کرتے، تعمیرات وغیرہ میں رومی اور ایرانی مزدوروں سے کام لیا جاتا تھا۔

ناخواندگی وہاں عام تھی ،لیکن کچھ پڑھنے والے لوگ موجود تھے۔ مکہ والے پورے جزیرۃ العرب میں ذوق ، لطافت طبع اور آرائش وتجمل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے... جہاں تک ان کی زبان کا تعلق ہے اس کو سند اور میزان کا درجہ حاصل تھا... تناسب اعضا ، جسمانی ساخت، حس وجمال نیز اعتدال وتوازن میں بھی وہ ممتاز تھے۔

کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف نے نہایت خوبی وخوبصورتی کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات پاک اور اسلام کے آغاز وارتقا کی تاریخ کو باہم آمیز کردیا ہے۔ بلاشبہ یہ حضرت مولانا کے سحر طراز قلم کا کرشمہ ہے کہ انہوں نے واقعات سیرت اور اسلام کی تاریخ کو ایک دوسرے میں منعکس کردیا ہے۔ سفر ہجرت کے موقع پر غارثورہ میں روپوشی اور مشرکین کے تعاقب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ادھر مشرکین نے رسول ﷺ کا تعاقب کیا۔ یہ انسانیت کے طول طویل سفر کا سب سے نازک اور سب سے فیصلہ کن لمحہ تھا۔ یا تو ایک ایسی بدنصیبی سامنے تھی جس کی کوئی انتہا نہیں، یا ایک ایسی خوش نصیبی جس سے اقبال مندی کا آغاز ہورہا تھا جس کی کوئی حد نہ تھی۔

انسانیت نے بے چینی سے اپنی سانس روک لی تھی اور بے حس وحرکت ہوکر ان جاسوسوں اور تعاقب کرنے والوں کو دیکھ رہی تھی وہ اس وقت غار کے منہ پر کھڑے تھے اور صرف اتنی دیر باقی تھی کہ ان میں سے کوئی نیچے دیکھ لے۔ لیکن خدا کی قدرت ان کا ذہن ادھر نہ جاسکا کہ اندر کوئی ہوسکتا ہے۔"

کتاب کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اسے محض سیرت وسوانح کی ایک کتاب بنانے کے بجائے ایک کتاب دعوت بنا کر پیش کیا ہے۔ مولانا محترم نے کوشش کی ہے کہ سیرت پیغمبرؐ سے متعلق واقعات محض واقعات کی حیثیت سے نہ پیش کیے جائیں بلکہ دعوت کی وہ روح اور کشش جو صدور واقعات کے وقت ان میں موجود تھی، ممکنہ حد تک اسے برقرار رکھا جائے۔

کتاب کی چوتھی خصوصیت ، اس کا شذوز اسر تفردات سے خالی سفر ہونا ہے یعنی واقعات سیرت کو اسی نہج ، اسی رخ اور اسی انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ جیسے کہ وہ محدثین اور ارباب سیر کے درمیان رائج ومتداول ہیں۔

کتاب کی پانچویں خصوصیت اس کا توازن واعتدال ہے جو کئی سطحوں پر جلوہ گر ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ کتاب نہ حد درجہ مختصر ہے کہ قاری تسلی وتشفی نہ ہو اور تشنگی کا احساس باقی رہے نہ اس قدر مفصل ہے کہ پڑھنے والا گھبرا جائے بلکہ درمیان کی راہ اختیار کی گئی ہے۔

کتاب کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مصنف کے تاریخی شعور ، علم وتحقیق کے قافلے کی ہمرکابی اور عصری حسیت کی آئینہ دار ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں ایک طرف اس کی اساس قرآن پاک، احادیث اور سیرت وتاریخ کی قدیم بنیادی کتابوں پر رکھی ہے اور دوسری جانب تاریخ ، جغرافیائی اثرات وغیرہ سے متعلق جدید مشرقی ومغربی مآخذ سے بھی پورا استفادہ کیا گیا ہے۔

اس کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سیرت کے مباحث سے متعلق بعض اہم تحقیقات پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً ہرقل کے نام پیغمبر اسلام کے مکتوب گرامی میں ایک جملہ ہے۔ ''فان تولیت فعلیکم اثم الریسین''(اگر تم نے نہ مانا تو اریسین کا گناہ تمہارے اوپر ہوگا۔) اس جملے میں ''مریسین یا اریسین کے اصل مفہوم کی تعیین کے سلسلے میں علمائے حدیث ولغت کے درمیان خاصا اختلاف رہاہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے لکھا ہے کہ : ہمارے نزدیک ترجیح اس قول کو ہے کہ اریسین سے مراد اریوس مصری (AR145-۲۸۰-۳۳۶) کے پیرو ہیں جو ایک ایسے مستقل مسیحی فرقے کا بانی تھا جس نے مسیحی عقاید اور اصلاح کے شعبے میں ایک خاص کر دار ادا کیا۔ کتاب 'نبی رحمت'' کی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس میں سیرت نبوی سے متعلق الگ الگ واقعات کو اپنی ترتیب اور پیشکش کے ذریعے وحدت کی لڑی میں پرودیا ہے۔ چنانچہ ایک واقعے کے بعد دوسرا واقعہ پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہی اس کے ذکر کا صحیح موقع ومحل ہے۔

کتاب کی نویں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی حیات طیبہ اور خود واقعات سیرت سے آپ کا سراپا رحمت ورافت اور شفقت وکرم ہونا محسوس ہونے لگتا ہے۔

اس کتاب کی استنادی حیثیت کے بارے میں عرض کردیا جائے کہ مصنف نے اس میں صحیحین اور دوسری کتب احادیث کے علاوہ بطور خاص سیرت ابن ہشام اور زاد المعاد پر بھروسہ کیا ہے۔

یہ بھی عرض کردینا مناسب ہے کہ اگر حضرت مولانا ندوی مرحوم نے یہ کتاب خود اردو میں لکھی ہوتی تو زبان وبیان کے لحاظ سے بھی یہ اردو کتب سیرت کے درمیان ایک امتیازی شان کی حامل ہوتی ، ہر چند کہ اس کا اردو ترجمہ شگفتہ اور رواں دواں ہی سہی۔

سیرت النبی از: علامہ شبلی نعمانی

علامہ شبلی کو بجا طور پر بیسویں صدی عیسوی کی مایہ ناز شخصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ کثیر الجہات کے مالک علامہ شبلی نے جو بھی علمی وادبی کام انجام دیا، اس کو آج بھی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ عالمانہ کمالات کی جامعیت کے لحاظ سے یہ یگانۂ روزگار عالم وادیب ،علم وادب کے مختلف میدانوں میں ایسی یادگاریں چھوڑ گئے ہیں، جن سے آج بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔

علامہ شبلی نے سیرۃ النبی کے مقدمے میں اس کتاب کی عظمت وفضیلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

خاص سیرت پر آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں صرف صحیح روایتوں کا التزام کیا جاتا اس بنا پر ضروری تھا کہ نہایت کثرت سے حدیث ورجال کی کتابیں بہم پہنچائی جائیں اور پھر نہایت تحقیق اور تنقید سے ایک مستند تصنیف تیار کی جائے۔

اردو میں سیرت نبوی کے موضوع پر چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس طرح ہمارے علما نے اپنا بنیادی مقصد بھی پورا کیا ہے، لیکن شہرت ومقبولیت کے جس مقام پر علامہ شبلی کی سیرۃ النبی فائض ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، یہ کتاب ناتمام رہی اور علامہ کی بے وقت موت نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ اسے مکمل کرتے اور پھر اس کو مکمل کرنے کی ذمہ داری ان کے مایۂ ناز عالم وفاضل شاگرد سید سلیمان ندوی کے کندھوں پر آن پڑی اور انہوں نے یہ کام اپنی روایتی

علمی دور اندیشی اور وسعت نظری سے پورا کیا بعض ناقدین نے سیرۃ النبی پر اعتراضات بھی کیے ہیں یہ تنقید سیرۃ النبی کے مطالب پر بھی ہے۔ علامہ کے طریقۂ استنباط پر بھی اور ان کے بعض مآخذ ومنابع پر بھی، لیکن سیرۃ النبی کی مقبولیت آج بھی برقرار ہے۔ اس کی وجوہات یہ ہیں۔

مصنف کا قدر تمند اور موثر اسلوب بیان، مورخانہ شعور وآگہی، بے مثال اور منفرد سلیقۂ تحریر وتصنیف، مستشرقین کا رد وابطال، عالمانہ طرز تخاطب

مولانا شبلی کا صاحب طرز ادیب وانشا پرداز ہونا اردو ادب میں ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ انہیں اردو کے صف اول کے نثر نگاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسلوب وانشاء کے لحاظ سے سیرۃ النبی کا دوسری اسی موضوع پر کتابیں مقابلہ نہیں کر پاتیں۔ مثال کے طور پر علامہ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کے سلسلے میں اپنی انشاء پردازی کے جوہر اس طرح دکھائے ہیں۔

''دنیا میں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ایران، ہند، مصر، یورپ میں عالمگیر اندھیرا تھا۔ قبول حق ایک طرف اس وسیع خطہ ارض میں گز بھر زمین نہیں ملتی تھی، جہاں کوئی شخص خالص خدائے واحد کا نام لے سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان میں صدا بلند کرنی چاہی تو آگ کے شعلوں سے کام پڑا۔ مصر آئے ناموس کو خطرے کا سامنا ہوا۔ فلسطین پہنچے کسی نے بات تک نہ پوچھی خدا کا نام جہاں سے لیتے تھے، شرک اور بت پرستی کے غلغلے میں آواز دب دب کر رہ جاتی تھی،۔ معمورۂ عالم کے صفحے نقش ہائے باطل سے ڈھک چکے تھے۔ اب ایک سادہ بے رنگ ہر قسم کے نقش ونگار سے معرا ورق درکار تھا جس پر طغرا کے حق لکھا جائے یہ صرف حجاز کا صحراے ویران تھا جو تمدن اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہیں ہوا تھا۔''

ملاحظہ فرمایے کہ حضرت علامہ کا قلم حضرت اسماعیل کی قربانی کے بارے میں کیا گل کاری کرتا ہے۔

''اب ایک طرف نوے سالہ پیر ضعیف ہے، جس کو دعا ہائے سحر کے بعد خاندان نبوت کا چشم وچراغ عطا ہوا تھا۔ جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔ اب اسی کے قتل کے لئے اس کی آستین چڑھ چکی ہیں اور ہاتھ میں چھری ہے۔

دوسری طرف نوجوان بیٹا ہے جس نے بچپن سے آج تک باپ کی محبت آمیز نگاہوں کی گود میں پرورش پائی ہے۔ اور اب باپ کا مہرپرور ہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے۔ ملائکہ قدسی، فضا

آسمان، عالم کائنات یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اور انگشت بہ دندان ہیں کہ دفعتاً عالم قدسی سے آواز آتی ہے۔ ابراہیم تو نے خواب کو سچا کر دکھایا، ہم نیک بندوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں"۔

طغیان ناز بین کہ جگر گوشۂ خلیل　　در زیر تیغ رفت وشہیدش نمی کنند"

علامہ شبلی نعمانی نے پیغمبر اسلام کے اخلاق حسنہ کی بحث میں پیغمبرؐ کے امتیاز پر بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"عین اس وقت جب کہ معرکہ کارزار گرم ہے، تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ تمام میدان لالہ زار بن گیا ہے۔ ہاتھ اور پاؤں اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہیں جس طرح موسم خزاں میں پتے جھڑتے ہیں۔ دشمن کی فوجیں سیلاب کی طرح بڑھی چلی آرہی ہیں۔ عین اس حالت میں آنحضرت ﷺ کا دست آسمان کی طرف بلند ہے۔ جنگ آور باہم نبرد آزما ہیں اور سر مبارک سجدۂ نیاز میں ہے"۔

معرکۂ بدر میں حضرت علیؓ عین شدت جنگ میں تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے۔

حنین میں دشمن نے دفعتاً اس زور سے حملہ کیا کہ تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے ۔ بارہ ہزار آدمیوں میں سے ایک بھی پہلو میں نہیں۔ سامنے سے دس ہزار قد انداز تیر برساتے آرہے ہیں، لیکن مرکز حق اپنی جگہ پر قائم ہے اور ایک پر جلال آواز آرہی ہے۔ انا النبی لاکذب (میں پیغمبر ہوں اور جھوٹا پیغمبر نہیں ہوں)

عین اس وقت جب کہ صفیں باہم معرکہ آرا ہیں، ہر طرف تلواریں برس رہی ہیں، ہاتھ پاؤں کٹ کر زمین پر بچھے جاتے ہیں، موت کی تصویریں ہر طرف نظر آرہی ہیں، اتفاق سے نماز کا وقت آجاتا ہے۔ دفعتاً نماز کی صفیں قائم ہوجاتی ہیں۔ سپہ سالار امام نماز ہے۔ فوجیں صفوف نماز ہیں۔ رجز کے بجائے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہیں، جوش وخروش تہور وجانبازی، غیظ وغضب، اب عجز ونیاز، تضرع وزاری اور خشوع وخضوع بنا جاتا ہے۔ صفیں دو رکعتیں ادا کرکے دشمن کے مقابلے پر چلی جاتی ہیں۔ ان کے بجائے لڑنے والے نماز میں شامل ہوجاتے ہیں ۔ یہ دو رکعتیں ادا کرکے پھر اپنی خدمت پر واپس چلے جاتے ہیں اور مشغولین جنگ آکر بقیہ نمازیں پوری کرلیتے ہیں، لیکن یہ تبدیلیاں فوجوں میں ہوتی ہیں، امام ﷺ اول سے آخر تک عبادت الٰہی میں مشغول ہیں۔"

ان اقتباسات سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ان میں جن مضامین یا واقعات کا بیان ہے۔ وہ سیرت کی متداول کتابوں میں بھی درج ہیں،لیکن علامہ شبلی کے ساحرانہ قلم سے ان میں جدت وطرفگی کا سماں پیدا ہوگیا ہے۔

سیرۃ النبی کی عبارات کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ علامہ شبلی نے اپنی تحریروں میں منظر نگاری پر بہت زور دیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ''کسی چیز یا کسی حالت کا اس طرح ادا کرنا اس شئی کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے۔ یہ ایک بڑا کارنامہ ہے۔ اس وصف کے علاوہ سیرۃ النبی میں علامہ شبلی کی نثر کی چند دوسری خصوصیات بھی ہیں۔ ان میں سرفہرست ایجاز واختصار ہے۔ علامہ شبلی اصلاً ایک پھول کے مضمون کو سورنگ سے باندھنے کے قائل نہ تھے اس لیے ان کے یہاں حشو وزواید کا گذر نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان کی نثر گتھی ہوئی اور معنوی لحاظ سے مرتکز ہوتی ہے۔ ان کے یہاں مقدرات بکثرت ہوتے ہیں اور دلالتیں نہایت واضح ہوتی ہیں۔ حتی کہ جن مقامات پر یہ ظاہر الحساب کا گمان گذرتا ہے، بغور دیکھا جائے تو وہاں بھی ایجاز ہی کارفرما نظر آتا ہے۔

علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں اپنی نثر میں ایجاز وارتکاز کے ساتھ ساتھ اثر وتاثیر کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے تشبیہات سے کم اور استعارات ومجازات سے بکثرت کام لیا ہے۔ اس کی بھی مثالیں دیکھئے۔

''حضرت علیؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ ﷺ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے، لیکن فاتح خیبر کے لئے فرش گل تھا۔''

''دلدل کا ہجوم کر کے بڑھتا تھا، لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔''

علامہ شبلی کی نثر کا ایک اور وصف یہ ہے کہ وہ استدلال اور منطقیت کے سانچے میں ڈھلی ہوتی ہے چنانچہ وہ جب کسی واقعہ یا مضمون کو بیان کرتے ہیں تو دل ودماغ اسے قبول کرنے میں پس وپیش نہیں کرتے، مصنف شعر العجم کو فارسی شعر ادب کا بہت پاکیزہ ذوق ودیعت ہوا تھا۔ سیرۃ النبی کی تصنیف کے دوران علامہ شبلی نے اگرچہ شعر العجم '' سے ہاتھ اٹھایا لیا تھا، لیکن شعر عجم کا ذوق ان کا رفیق ودمساز تھا۔ اسی وجہ سے سیرت النبی کے بیان میں کہیں کہیں انہوں نے فارسی کے ایسے برمحل اشعار کی پیوندکاری کی ہے جن کا ڈھونڈنا دشوار ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

''ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگاروں کے بستر

پر سونا پڑا تھا، یعنی حضرت عمّار یا سرو غیرہ، ان کا نام مہاجرین حبش کی فہرست میں نظر نہیں آتا، اس لیے یا تو ان کی بے سروسامانی اس حدتک پہنچی تھی کہ سفر کرنا بھی ناممکن تھا یا کہ درد کے لذت آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے''۔

دلم ز جورتو آسودہ است ومی نالم
کہ غیر پی نبرد لذت حدو

سیرۃ النبی میں طنزیہ پیرایۂ بیان کے نمونے بھی ملتے ہیں ۔ علامہ شبلی تاریخ کا پختہ شعور رکھتے تھے۔ آپ نے سیرۃ النبی'' کو سیرت کی قدیم کتابوں کے انداز میں لکھنے کے بجائے تاریخ نگاری کے نئے اصولوں کے مطابق تصنیف کیا ہے۔ آج کل کی مروجہ اصطلاح کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ سیرۃ النبی عصری حسیت کی بھرپور نمایندگی کرتی ہے۔

سیرۃ النبی کی تصنیف سے علامہ شبلی کا اصل مقصد آنحضرت ﷺ کی سیرت وشخصیت سے متعلق مستشرقین کی غلط بیانیوں اور بہتان طرازیوں کا ردو ابطال اور ان مسلمان جوانوں کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا تھا جن کے ذھن میں ذات نبوی کے متعلق مورخین یورپ کی زہر افشانیوں سے مسموم ہوتے جارہے تھے۔

سیرۃ النبی بعض فروگزاشتوں کے باوجود جن کی بعض ناقدین نے نشاندہی بھی کی ہے، انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں لکھی جانے والی عربی اور اردو تصانیف سیرت میں بلند مقام پر فایض ہے۔ اور'' داغ ناتمامی کے باوجود خاص اس عہد کی حد تک اسے آسمان سیرت کے ماہ تمام کا درجہ حاصل ہے۔